ڈاکٹر سید محمد رضا موسوی
Ph.D., Department of Urdu, Jawaharlal Nehru University, New Delhi

لداخ پر ایرانی تمدن کی تاثرات کا ایک اجمالی نظر

ایرانی تمدن کی تاثرات تبت صغیر میں اس قدر زیادہ ہے کہ بعض محققین نے تبت صغیر کو ایران صغیر بھی کہا ہے۔لیکن اس مقالہ میں ایرانی تمدن کی تاثرات کی اسباب کے بارے میں ایک کلی بحث کو اراۂ کیا گیا ہے جو رفتہ رفتہ موجودہ شکل کو ایجاد کرنے میں موثر ثابت ہوئے ہیں۔اخیرا کچھ افغانستان سے پڑھے لکھے اسکالر جب کرگل خطے کا دورہ کیے تھے تو شباہت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے اور اسی عنواں پر افغانستان کی مجلوں میں مقالہ بھی لکھے(۱)۔اُن کے مطابق زندگی کرنے کی طرز وطریقہ، ظاہری طور پر اس قدر شباہت ہے کہ گویا کرگل قوم ہزارہ قوم کی ایک گمشدہ قبیلہ ہے لیکن اسی تفاوت کے ساتھ کہ فارسی زبان یا دری زبان یہاں نہیں بولی جاتی۔

اِس نقطے گاہ سے تبت صغیر کو ایرانی تمدن کی حصہ میں شامل کیا جا سکتا ہے لیکن فی الحال یہاں الگ طور پر بحث کو جاری رکھا جائے گا۔اگر غرب تبت کے شمال، مغرب اور جنوب کو مدنظر رکھا جائے یہ سارے علاقے پارسی تمدن کہا جاتا ہے۔تاجکستان اور افغانستان وہ دو ممالک ہیں جو پارسی تمدن کے گہوارے کا جز سمجھا جاتا ہے اور آج بھی زبان فارسی وہاں کے سرکاری اور مقامی زبان ہے۔مغرب میں کشمیر جس کی تہذیب میں پارسی تمدن سمایا ہوا ہے اور اُس کا سہرا بھی امیر کبیر سید علی ہمدانی کو جاتا ہے۔اگر دقت کیا جائے غرب تبت خصوصا پورا بلتستان منجملہ پوریک علاقے میں اسلام کے اشاعت کے بعد تبلیغ وتجارت کے سلسلے میں کشمیر اور سنٹرل ایشیا سے لوگ آ کر مقیم ہوگے(۲) اور یہاں کے تہذیب کو غنی کرنے میں ہر کسی نے اپنے اپنے منفرد کردار کو نبھایا ہے۔ لیکن عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام کے اشاعت کے بعد گویا صرف ایرانی تمدن کا اثر شروع ہوا

تھا۔ جب کہ کم مواد ہونے کے باوجود جو مواد و اثرات موجود ہیں اُن سے کچھ حد تک اشاعت اسلام سے پہلے پارسی تمدن کے تاثیرات اور تعلقات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جس کے متعلق یہاں یک بہ یک بیان کیا جائے گا۔ یہاں پر لداخ سے مراد آج کا یوٹی ہے جو ہندوستان کی پیش کردہ نقشہ کی مطابق گلگت بلتستان بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔ جسے اگر قدیم اصطلاح میں کہیں یعنی تبت صغیر اور تبت کبیر کے مکمل احاطہ سے مراد ہے۔

سیاسی اور حکومتی تاثرات

ایران یا ایرانی تمدن کی تعلقات تبت کے ساتھ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ ہخامنشیاں کی حکومتی سرحد غرب تبت تک تھی۔ جو اشیاء قدیمہ (۳) ملے ہیں تجارت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شراب کی ضیافت (۴) کے بارے میں بھی ایرانی طرز پائے گئے ہیں۔ شاہزادگان اور حکمرانوں کی لباسوں میں بھی ایرانی نقش ونگار اور اثرات کے بارے میں تفصیلاً تحقیق ہوئی ہے، جسے محقق کارما (۵) نے تبتین کا سٹیوم، ساتھویں سے گیارہویں صدی کے درمیاں کا تحقیق ہے۔ بلور سلطنت ایک عظیم سلطنت غرب تبت میں رہی ہے جس کے بارے میں بہت مختصر تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے لیکن تفصیل کے ساتھ اس دور کے بارے معلومات فراہم نہیں ہیں۔ یہ سلطنت ساتھوں صدی میں ختم ہو چکا تھا۔ حال ہی میں ایک کشف کے دوراں آخری سات بادشاہوں کے نام (۶) دریافت ہوئے ہیں جس پر محققین کا مختلف ردعمل دیکھنے کو ملا ہے۔ ناموں میں شاہ اور شہنشاہ ہونے کی وجہ سے محقق تیمار (۷) نے انہیں ایرانی شہزادہ بتایا ہے لیکن ماباقی نام ہندو یا کشمیری شاہوں کے مثل ہونے کی وجہ سے اس نظریہ کو رد کر کے کچھ محققین نے اعتراف کیا ہے کہ ہوسکتا ہے ایرانی تاثرات سے اس طرح کے القابات رکھے ہوں۔ اسلام آنے کے بعد درباری رسم ورسومات ایرانی دربار سے متاثر تھے۔ (۸)

دینی تاثرات:

ایک اور اہم نکتہ جو تبت اور ایرانی تمدن کے درمیان دیکھنے کو ملتا ہے وہ دینی تعلقات ہیں۔ کچھ محققین مہہ پھنگ (۹) (آگ کا ایک رسم) کی رسم جو آج تک بلتستان میں باقی ہے اُسے زرتشتی دین کے اثرات میں سے مانتے ہیں اور زرتشتی کا ایک اہم مرکز تبت صغیر سے نزدیک ہونے کی وجہ سے محققین نے اس امکاں کو رد نہیں کیا ہے کہ وہاں سے دین زرتشت کی اثرات نہ پہنچے ہوں۔ لیکن ایک اہم دین جو بہت عرصہ تک

اپنا چھاپ چھوڑ کر رکھا ہے اور آج بھی اُس کے اثرات لداخیوں کے کلچر میں دیکھنے کو ملتا ہے بون مذہب ہے۔ بعض کا ماننا ہے کہ بون مذہب زرتشتی دین کا ایک فرقہ (۱۰) ہے۔ بون مذہب کے تاثرات اس قدر تھا کہ جب بودھائی دین لداخ اور تبت پہنچی اس نے ایک نئی رنگ وصورت اختیار کی، ایک دین جو بون مذہب اور بودھ مذہب کا ایک نوع مخلوط تھا جسے بعد میں لامایزم کے نام سے شہرت ملی۔ بون مذھب کے بانی تونپا شینزاب میوچہ (۱۱) ہیں، جس کا زادگاہ تاگزیگ بتایا گیا ہے۔ تاگزیگ سے مراد اکثر محققین نے تاجیک لیا ہے، کچھ محققین نے بلخ سے قریب ایک علاقہ کو زادگاہ تصور کرتے ہیں۔ یہ دونوں علاقے ایرانی تمدن کی حصہ ہیں۔

اِس کے بعد ایران سے جو دین غرب تبت پہنچی، دین اسلام تھی، یہاں ایرانی مبلغین کا اہم کردار دیکھنے کو ملتا ہے جس کے تاثرات غرب تبت کی زندگی کی مختلف شعبوں میں نمایاں ہیں۔ نامور شخصیتوں میں میر سید علی ہمدانی، میر سید محمد نوربخش (راقم الحروف کے مطابق ثانی)، میر سید شمس الدین ارا کی اور طوسی برادران اور اُنہیں کے اولادیں شامل ہیں۔ سید حسین قمی کے اولاد اِن خطوں میں ساکن ہوئے اور تبلیغ دین کی ذمداری کو نبھاتے تھے۔ قاضی نوراللہ شوستری جو کشمیر تک کے علاقوں میں سفر کر چکے تھے اپنی کتاب مجالس المومنین میں تبت کے بارے میں ذکر کیا ہے، جسے اُنہوں نے دو علاقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک تبت صغیر اور تبت کبیر۔ موصوف لکھتے ہیں اگر چہ تبت ہندوستان (۱۲) کی عظیم الشان حکومت کے اندر آتا ہے لیکن خطبہ ایرانی صفویہ بادشاہ کے نام پڑھتے ہیں، اور وہاں مسلمان شیعہ بستے ہیں اور حاکم کا نام علی رائی بتایا ہے۔ یہاں دینی وسیاسی تاثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ مقامی راجاوں نے بہت سارے ایرانی، ترکستانی اور کشمیر سے مبلغین کو اپنے دربار میں دعوت دیتے تھے۔ اُنہیں مبلغین کے ایک باقی ماندہ تبلیغات کی اثر اسد ماتم ہے جو کرگل میں دوراں قدیم سلیسکوٹ میں برگزار ہوتا تھا۔ کچھ کا کہنا بھی ہے کہ اسد ماتم علاقے سوت میں بھی ہوتا تھا لیکن آج برگزار نہیں ہوتا۔ گونڈ منگل پور، ٹرسپوں اور ٹمبس علاقوں میں بعد میں اَسد ماتم کا انعقاد ہونے لگا جواب بھی جاری ہے۔ لیہہ میں فیانگ علاقے میں اَسد ماتم منعقد ہوتا ہے جہاں مختلف علاقوں سے لوگ وہاں جا کر ماتم میں شرکت کرتے ہیں۔ یہاں اسد مہینہ کا نام بطور مہینہ افغانستان کی تقویم سے شباہت رکھتا ہے۔

تجارت وہجرت

تجارت وہجرت سے متعلق تفصیل میں تمام تاریخی تذکروں کو پہلے باب میں ذکر کیا گیا

ہے۔ جو یہاں مختصراً کلی طور پر پیش کیا جائے گا۔ تجارتی پہلو کے اہمیت کو حدود العالم میں بیاں کیا گیا اس تذکرہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ ساری چیزیں ہندوستان سے تبت اور تبت سے مسلم ممالک جایا کرتے تھے (۱۳)، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ لداخ ایک اہم گزرگاہ تھی۔ اسی کتاب میں ماوراالنہر کے شہروں میں تبتیوں کی موجودگی کے بارے میں ذکر ہے۔ جن شہروں کا نام لیا گیا ہے ان میں سمرقنداق، خماذ اور اندراس کا ذکر ہے۔ سمرقنداق کے بارے میں ذکر ہے کہ "ایک بڑا گاوں ہے جہاں ہندوستانی اور تبّتی بستے ہیں (۱۴)"۔ خماذ' کے بارے میں آیا ہے" تہوڑے تبّتی ہیں (۱۵)"۔ اندراس کے بارے میں آیا ہے کہ "ایک شہر ہے جہاں تبّتی اور ہندو رہتے ہیں اور وہاں سے کشمیر دو دن کا راستہ ہے (۱۶)"۔ یہ موجودگی یا تجارت کی طرف اشارہ ہے یا ہجرت کی طرف۔ جس طرح مبلغین غرب تبت میں آ کر بسے اور بہت ہی تاثیر گزار رول نبھائے جس کے اثرات زندگی کے مختلف شعبوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ تجارت کا ایک اہم منبع جو فارسی نثر اور اشعار میں بھی ذکر ہے، مُشک اور سونے کی کانیں ہیں۔ اگر چہ پشمینہ کے لیے بھی معروف ہے لیکن شعر میں انہیں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے جسے بہت یاد کیا گیا ہے۔

ادب:

غرب تبت کے ساتویں صدی سے متعلق کوئی تفصیل سے تاریخ دستیاب نہیں ہے، اسی لیے تبّتی اثرات سے پہلے اس خطے کا کیا چہرہ تھا یہ بتانا قدرے مشکل ہے۔ لیکن جب ایک ہندوستانی خط کو ترمیم کر کے پورے تبّتی سلطنت میں نافذ کیا گیا تو مرکزی تبّتی زبان، علمی و سرکاری و دینی زبان کی طور پر پورے خطے میں معین ہوا۔

اسلام آنے کے بعد مرکزی تبت کے ساتھ تبت صغیر کے تعلقات منقطع ہوئے۔ تب تک مرکزی تبت میں رائج زبان علمی و دینی و سرکاری زبان شمار کیا جاتا تھا۔ اور مقامی بولیوں سے مختلف اور نا قابل سمجھ زبان تھی۔ اسلام آنے کے بعد فارسی زبان نے اُس کی جگہ لی۔ لیکن یہی اِنقطاع کا ایک فایدہ یوں ہوا کہ کئی عرصے بعد لوگوں نے مقامی بولیوں میں فارسی طرز اور اصناف سخن میں طبع آزمائی کرنا شروع کیا اور یوں ایک بولی رفتہ رفتہ زبان کی صورت اور وسعت ترقی ملی اور ایک طرح زبان میں تنوع پذیری کو اجاگر کیا۔ ساتھ میں اِس زبان میں ہزار کی قریب یا اس

سے زیادہ فارسی الفاظ ادب میں شامل ہوئے (۱۶)۔ اِن الفاظ کو سمجھے بغیر بلتی ادب کو سمجھنا مشکل ہے۔اور کچھ الفاظ روزمرہ زندگیوں میں بھی استعمال ہوتی ہیں۔جیسے کچھ الفاظ افغانستان میں رائج الفاظ سے مشابہت رکھتی ہے جیسے کی ایک خاص دہی جس کو کرگل علاقہ میں چکہ کہا جاتا ہے اور یہی لفظ اسی معنی میں افغانستان میں بھی استعمال ہوتی ہے ساتھ میں افغانستان میں اُسے ماست سفت یا ماست چکیدہ بھی کہتے ہیں اور لفظ چکہ اسی چکیدہ سے لیا گیا ہے اور اس دہی کو بنانے کی طریقہ میں چکیدہ طرز کو استعمال کیا جاتا ہے۔اسی طرح کچھ الفاظ فارسی کے بنائے ہوئے ہیں لیکن کرگل میں الگ معنی رکھتے ہیں عموما آج لفظ گلاس استعمال ہوتا ہے لیکن ابھی بھی بزرگان کو یاد ہے کہ گلاس کو عام طور پر آب خور کہا جاتا تھا۔اسی طرح سردیوں میں گرم کرنے کے لیے بخاری کا استعمال ہوتی ہے اور یہ لفظ بھی فارسی کا ہے اور اسی طرح اواخر میں بھی کئی الفاظ شامل ہوئے ہیں (جیسے آستین) جب مبلغین ہدیہ کی طور پر اپنے رشتہ دار خواتین کو تحفہ کی طور پر آستین لایا کرتے تھے جو کئی جگہوں پر خواتین کی درمیان پسندیدہ بنی اور یوں یہ لفظ بھی عام ہوا۔اسی طرح متعدد الفاظ ہیں جو کلاسیکی ادب میں موجود نہیں لیکن روزمرہ گفتگو میں شامل ہوئے ہیں۔

کلاسیکل تبتی میں ''کھچہ فالو (۱۸)'' ایک اہم ادبی آثار شمار کیا جاتا ہے، جسے ایک کشمیری مسلمان فضل اللہ کشمیری نے ترتیب دیا تھا، جو سعدی شیرازی سے بہت متاثر تھا (۱۹)۔ خود مرکزی تبت میں اُس کا شمار اُن آثاروں میں ہوتا ہے جن میں فارسی ادب کی تاثرات دیکھنے کو ملتی ہیں۔غرب تبت میں تاثرات مرکزی تبت سے زیادہ ہے۔غرب تبت میں کئی فارسی شعراء رہ چکے ہیں جن میں نامور سید نجم الدین ثاقب ہیں جن کا ایک تاریخی منظوم ہے، اسی طرح سید تحسین رضوی ہیں جن کے کئی شعری مجموعہ ہیں منجملہ شغرنامہ اور دیوان تحسین ہے۔ لداخ کے تاریخ سے متعلق فارسی زبان میں ایک نسخہ خطی بھی ہے اور کرگل کے سورو علاقے میں دفتری نظام جو سو صفحوں پر مشتمل ہے وہ بھی فارسی زبان میں ہے۔آج متاسفانہ بہت سے تاریخی منظوم اور اشعار مفقود ہو چکے ہیں، اور صرف پتھروں پر، کسی آثار قدیمہ پر یا سنگ مزار پر فارسی اشعار دیکھنے کو ملتے ہیں۔لداخ کے معروف بلتی شاعر باقر بان علی سے متعلق اُن کا نواسہ کہتے ہیں اُن کا ایک فارسی شعری مجموعہ تھا جو مفقود ہو چکا ہے، اُن سے منسوب کچھ ہی بیت نوبراہ علاقہ

میں پتھروں پر لکھے ہوئے باقی ہیں۔ ماضی میں سرکاری زبان گویا کچھ مدت تک تبتی زبان رہی تھی جو اُس دور میں ادبی زبان شمار کیا جاتا تھا اور اُسے ایگے خط میں لکھا کرتے تھے۔ مقامی بولی میں لکھی جانی والی آثار اب تک راقم الحروف کو نظر نہیں آیا ہے یا اگر ہے اس کی تعداد اس قدر کم ہے کہ موردِ توجہ قرار نہیں پاتا ہے۔ لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں مقامی زبان (بلتی یا پرگی) میں تحریر کی معاملہ میں پہلی دفعہ فارسی رسم الخط کا استعمال ہوا ہے۔ ایگے خط میں البتہ کئی آوازیں موجود نہیں جو موجودہ بولی جانے والی زبان کرگل اور بلتستان میں اس کی تلفظ کا حق ادا کرے اگرچہ اسی طرح یہ مشکل فارسی رسم الخط میں بھی تھی لیکن اردو رسم الخط میں رائج کچھ حروف نے کئی مشکلات کو حل کیے اور کئی کا حل کرنا آسان ہے اور حل کیا جا سکتا ہے لیکن ایگے کی بہ نسبت یہ مشکل نظر نہیں آتا کیونکی ایگے کو ترمیم کرانا کئی وجوہات سے مشکل ہے لیکن فارسی اردو رسم الخط کے ساتھ ایسا نہیں ہے اور دوسری طرف اس خط سے کرگل اور بلتستان کے لوگ زیادہ آشنا ہیں۔ ایگے رسم الخط کے مطابق گویا کچھ آوازیں اُس دور میں رائج نہیں تھی جو بعد میں فارسی زبان کی تاثیر کی وجہ سے غرب تبت میں رائج ہوا ہے۔

تہوار:

لداخ میں بہت سارے فیسٹول منائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک مہہ پھنگ ہے جہاں لمبی سردیوں میں لوگ آگ جلاتے ہیں اور اُس کو زرتشی اثرات میں سے جانا جاتا ہے۔ دوسرا تہوار جو ایران اور غرب تبت میں مشابہت رکھتا ہے وہ نوروز ہے۔ (۲۰) آج بھی لداخ میں مسلمانوں کے درمیان محرم الحرام اور عاشورا کی طرح گرمیوں میں مجلسیں برپا کیے جاتے ہیں جسے اَسد ماتم کہتے ہیں۔ اَسد سے مراد ایک مہینہ کا نام ہے، جو افغانستان میں رائج تقویم میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ایک اور تہوار جسے پھولوں کا تہوار کہا جاتا ہے، جسے مرکزی آشیاء کی تہواروں میں سے جانا جاتا ہے جس کو مرکزی آشیاء سے متعلق یبگو خاندان (۲۱) نے لایا تھا اور جب تک اُن کی حکومت باقی تھی اُس تہوار کو بخوبی انجام دیتے تھے۔

دیگر مشابہات:

یہاں جس مشابہت کی طرف اشارہ ہے وہ نوع تدفین ہے۔ اگرچہ یہ طریقہ لداخ

میں پایا نہیں جاتا لیکن موجودہ تبت میں دیکھنے کو ملتا ہے جہاں مردہ کو کسی اونچے پہاڑ پر لے جا کر لاش خاروں کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ یہی مشابہ عمل ایران کے قدیم الایام میں دیکھنے کو ملتا ہے، جو کسی دور میں زرتشتی عقائد کے بنا پر ایک بلند مقام کو منتخب کیا کرتے تھے اور مردہ کو وہاں چھوڑتے تھے اور وہ جسم لاش خاروں کے حوالا ہو جاتا تھا۔ ایران میں یہ طرز بعد میں انہیں قدیم الایام کے زمانے میں ختم ہوا تھا۔ لیکن یہ نوع رسم میں شبہات اپنے آپ ایک سوال ایجاد کرتا ہے کہ کیا یہ طرز وطریقہ ایک دوسرے سے سیکھے تھے کہ نہیں اور اس سے متعلق کوئی جواب دستیاب نہیں ہے۔ لیکن ایرانی تمدن اور موجودہ تبت میں یہ مشابہت ضرور پائی جاتی ہے۔

کھیل:

تیر اندازی کھیل قدیم الایام میں ایک ضروری اور گویا دنیا کے ہر کونے میں رائج تھا۔ لیکن اب بھی یہ کھیل اگر کارگل میں قائم ہے اُس کی اہم وجوہات دینی تاکید نظر آتا ہے۔ دوسرا کھیل جو کارگل اور غرب تبت میں رائج ہے وہ پولو کھیل ہے۔ پولو کھیل کے پیدائش ایران کی سرزمین مانی جاتی ہے۔ ایک دور میں ایرانی قومی کھیل کے طور پر جانا جاتا تھا اور اس کھیل کو بادشاہوں خصوصاً پارٹین سلطنت (۲۴۷ قبل مسیح) نے اپنی سرپرستی کی ذریعہ اُسے ترویج دی۔ حتی ساسانی دور میں شاہی تعلیم کا حصہ تھا جسے حکمران طبقوں کو سیکھنا تھا۔ غرب تبت میں گویا اس کھیل کو رائج کرنے والا علی شیر خان انچن (۱۴۹۰ تا ۱۵۲۵ عیسوی) ہیں ہیں جنہوں نے فری اسٹائل پولو کھیل کو شروع کی (۲۲)۔ انگریزوں کی دور میں گویا اُسے ترویج ملی۔ یہ کھیل ۱۹۴۷ سے پہلے پورے تبت صغیر میں گویا بہت رائج تھا، ساتھ میں راجاوں کی سرپرستی نے اسے مستحکم بخشا تھا۔ کرگل کے علاقوں میں جابجا موجود شغرن اس بات کی نشادہی کرتا ہے۔ آج پولو کھیل گلگت بلتستان اور خطے کا رگیل لیہہ لداخ کے ایک ثقافتی پہچاں بن چکی ہے۔

اقوام (قومیں جو بسی ہیں):

عموما رائج خیال جو آج رائج ہے یوں ہے کہ غرب تبت میں اکثریت مُنگول نسل سے ہیں، لیکن اگر غرب تبت میں رہنے والے لوگوں کی ظاہری شکل وشمایل کو مدنظر رکھا جائے تو ظاہرا اختلاط نسل کی نظریہ تقویت پاتی ہے۔ چونکہ غرب تبت کے بلتستان منجملہ کرگل میں بہت سارے

ایسے لوگ ہیں جن کی شکل وشمایل آج اپنے ماضی کے درد، کشمیر یا جہاں سے آیئے تھے اُن سے مختلف نظر آتی ہے اور اُس کی ایک اہم وجہ اختلاط نظر آتا ہے، اُسی طرح جس طرح کشمیری وہ نسل جو تبت میں ساکن ہوئے تھے اور پھر واپس آج کشمیر میں ساکن ہوئے ہیں۔ آج بھی کچھ ایسے علاقے ہیں جہاں دردی اقوام ہونے کی تاریخی اسناد ملتے ہیں اور کہیں کوئی نہ کوئی آثار بھی، جیسے چھوسکور علاقے میں آج بھی بہت کئی جگہوں کا نام ویسے ہیں جو دردی زبان میں رائج ہیں اور بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہاں اواخر میں اسلام پھیل گیا تھا اور دردی اقوام کے رسم و رسومات بھی بہت حد تک محو ہو چکا ہے۔ ممکن ہے اُس کی وجہ یوں ہو کہ یہ علاقہ شہر خاص سے اتنی آسانی سے دسترس میں نہیں رہا تھا اور اِسی وجہ سے تبدیلی کی باوجود کچھ آثار باقی رہے ہوں۔ راقم الحروف نے جب بُغدنگ کا سفر کیا تو وہاں کے بلتی قوم کے ظاہری شکل وشمایل کو اپنے یہاں کے دردی اقوام سے بہت مشابہ پایا۔ ایک خاص نکتہ جو نظروں سے گزرا وہ نظریہ ہے جس کو اسفندیار خان نے بھی قدیم لداخ میں تبتیوں کی نظریہ کو یوں درج کیا ہے کہ بلتی وہ واحد ایرانی نسل ہیں جو تبّتی زبان بولتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ ''تبتیوں نے معلوم انسانی آبادی کو پانچ بڑی نسلوں میں تقسیم کیا ہے، چینی، منگول، ایرانی، ہندوستانی اور تبّتی۔ بلتیوں کو ایک ذیلی نسل کی حیثیت سے تبّتی نسل میں شامل نہیں کیا ہے بلکہ ایرانی نسل گروہ میں شامل سمجھا ہے، باوجود یکہ وہ تبّتی زبان بولتے ہیں اور قبول اسلام سے پہلے تبّتی ادبی روایات رکھتے تھے۔ پھر اُنہیں ایک ذیلی نسلی گروہ کے طور پر ایرانی شمار کیا گیا ہے۔ اُن میں بلتی واحد گروہ جو تبّتی زبان بولتا ہے۔'' (۲۳) لیکن اسفندیار صاحب اُس کی نقد میں زبان کی سہارے لیتے ہیں جو راقم الحروف کو وہ روش درست نظر نہیں آیا، کیوں کی جنہوں نے اِس نظریہ کو رکھا ہے اُن لوگوں نے قومیت کی بات کی ہے نہ کی زبان کی۔ کیوں کی دنیا میں ایسے بڑے تمدن ملتے ہیں جن کی کئی ہزار سال پہلے موجودہ زبان ماضی میں رائج نہیں تھی۔ سب سے بڑی مثال مصر ہے جس کی تمدن کی آثار آج بھی خیرہ کنندہ ہیں جن کی زبان عربی نہیں تھی لیکن آج عربی زبان اور عرب کی ثقافت کا ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا ہے۔ فیلم انڈسٹری میں مصری عربی کا بول بالا ہے اور قرآن کی بہترین قاری بھی مصر سے رہے ہیں۔ لہذا جو روش اُنہوں نے اپنایا تھا مضبوط نظر نہیں آیا۔ ایک اور مسودہ جو راقم الحروف کو تحقیق کے دوران دستیاب ہوا اُس میں بلتی کو مختلف نسل

کی طور پر درج کیا ہے۔اُس میں یوں درج ہے کہ ''درآنوقت درلداخ چہار طائفہ ہندوستانی، بلتی، لاسی وقلماق بودند'' یعنی اُن دنوں لداخ میں چار قبیلہ رہتے ہیں جن میں ایک ہندوستانی، بلتی، لاسی (یعنی لھاسا) اور قلماق (یعنی تاتاری قبایل) تھے۔اب بلتی کو لاسی سے علیحدہ ذکر کرنا بھی دلچسپ ہے۔یہ مسودہ گویا تھیک ڈوگروں کی قبضہ کے ابتدائی دور میں لکھا گیا تھا۔اب یہاں اِن سارے نسلوں کی بارے میں کوئی تفصیلی نکات مزید درج نہیں ہے۔اسی طرح کوریا زائر ہوئی چاؤ (Huei Chao) ۷۲۷عیسوی میں جب ہندوستان سے وسطی ایشیا واپس پہنچے تو اُنہوں نے کشمیر کے شمال مشرق میں تین ریاستوں کا ذکر کیا ہے جس میں پولولو، زانگ زونگ اور سوپوز جو تینوں اُس وقت تبت کے زیر تھے اور اُن کا لباس، زبان اور رسم کو بالکل ایک دوسرے سے مختلف بتایا ہے! لیکن مشرقی تبت میں ابھی بدھ مذہب رائج نہیں جبکہ اِن خطوں میں ہے اور لکھا ہے کہ، ''ان (مذکورہ) ریاستوں میں ہو (HU) لوگوں کی آبادی ہے لہذا وہ لوگ بدھ مت کا عقیدہ رکھنے والے ہیں۔'' یہ یادرہے کہ ہُو آٹھویں صدی میں وسطی ایشیا کے ایرانی نسل کے لوگوں کو کہتے ہیں۔ لیکن ایک دلچسب بات یہ بھی ہے کہ آج وسطی ایشیا سے جو اواخر میں آزادی ہند سے تھیک پہلے جو آکر ساکن ہوئے ہیں اُنہیں لداخ میں ہُو رکہا جاتا ہے۔جبکہ کچھ اقوام ایسے ہیں جو قدیم الایام میں آکر ساکن ہوئے ہیں اور اُنہیں آج کوئی ایسے عناوین سے یادنہیں کرتے۔اور یہ بھی امکان ہے کہ یہاں ہو سے مراد دردا قوام کی طرف اشارہ ہو جن کی شکل وشمایل ایرانیوں سے شباہت رکھتے ہیں۔لیکن پولولو کے علاوہ یہ بتانا کہ اُن باقی علاقوں سے آج کن خطوں سے مراد ہے قدرے مشکل ہے۔ممکن ہے زانگ زونگ سے مراد پورا تبت ہو اور کشمیر سے تبت جانے کا واحد راستہ گویا زوجی لا کا درہ ہی تھا۔وہ کونگ Wu Kung (۷۵۹۔۷۶۴) لکھتے ہیں کی ''کشمیر سے ایک راستہ مشرق میں تبت کو جاتا ہے اور دوسرا شمال میں پولولو کو جاتا ہے'' جس کی بارے میں محمد یوسف حسین آبادی لکھتے ہیں کہ ''علماء کے خیال میں مشرقی راستہ وہی زوجی لہ والا ہے اور جبکہ شمال ولا درہ برزل سے سکردو یا گلگت کی طرف کا راستہ ہے۔'' (۲۴)

لیکن تاریخی اور موجودہ حقائق کو پیش نظر یہاں فارسی اور عربی ماخذوں میں کیا اشارہ ہے وہ پیش کیا جائے گا۔تقریبا تاریخی دستاویزوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی کے

بعد بلور سلطنت کے خاتمے کے ساتھ غرب تبت، تبت اصلی لہاسا کہ زیر تسلط آیا تھا۔ سوال یہ ہے کیا اُن دنوں غرب تبت کے تبت خورد (یعنی موجود بلتستان اور کارگل و زانسکار) کا موجودہ ثقافت رائج تھا؟ موجودہ زبان اکثریت میں بولی جاتی تھی؟ کیا تبت مرکزی نے اپنی حکومتی تسلط سے اپنا ثقافت اور مہاجرت اور لوگوں کو ساکن کروانے کے ذریعہ سے تبت خورد کی تصویر کو نہیں بدلا تھا؟ یہ سوالات ہیں جو ابھی سوال ہی ہیں اور اِس کا جواب دینا مشکل ہے اور شاید ناممکن، کیونکی اب تک کوئی ایسی سند جو اس تشنہ گی کو برطرف کرے موجود نہیں ہے۔ ایک سہارا خط ہوسکتا تھا لیکن تبتی خط ٹھیک اُنہیں دور میں قایم ہوجاتی ہے جب پولولو یا بلور (بلتستان) تبت کی زیر تسلط آتا ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو کرگل خطے کو آباد کرنے والے دردی قوم تھے۔ اور دردی قوم کی زبان جسے شینا کہا جاتا ہے سنسکرت کی ایک شاخ ہے اور قدیم فارسی اور سنسکرت بھنوی زبان بھی رہا ہے اور بہت سارے مماثلت رکھتے ہیں۔ موجودہ فارسی اور قبل اسلام کی فارسی میں نہایت فرق اور سخت قابل فہم ہے۔ اِنہیں دردی اقوام میں ٹھاٹھا خان منجملہ سرفہرست اُن شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے پوریک میں حکمرانی اور گویا اُنہیں کے دور میں بہت سارے لوگوں کو ساکن کروایا ہے۔ گویا اِس سے پہلے لہنچے اور آس پاس کے علاقوں کو آباد کرنے والے بھی دردی قوم تھے۔ لیکن آج لہنچے اور سوت جیسے علاقوں میں جہاں اُن حکمرانوں کا مرکز تھا، وہاں کوئی دردی ثقافت بطور عیان نظر نہیں آتا (ممکن ہے کچھ چیزوں کو چھوڑ کر)۔ یہ بدلاو کیا ایک حکومتی احکامات کی زبردستی صورت میں واقع ہوا تھا؟ لیکن یہ طے ہے کہ ساتویں صدی میں جب لہاسا نے پورے خطے میں اپنے تسلط کو جمایا تھا تب جو حکومتی فیصلے لیے گیے تھے یہ علاقے بھی اس فیصلہ کے زیر اثر آ گئے تھے۔ یقیناً صرف سیاسی اثر ہی سب کچھ تبدیلی کا سبب نہیں بنتا بلکہ اُن دنوں اِس خطے میں لوگ لہاسا کے بودھائی (لامائزیم) تعلیمات کو دھیرے دھیرے قبول بھی کرنے لگے جو زمینہ تحول بن سکا۔ رسم الخط بھی انہیں عوامل کی وجہ سے پورے مغربی تبت میں نافذ ہوا۔ البتہ ان علاقوں میں تبت کے پورانگ اور مرکزی ایشیا کے ترک نسل اور تبت کے دوسرے علاقوں سے بھی لوگ آکر ساکن ہوئے تھے، جو شاید بعد میں اُن کی اکثریت میں اضافہ ہوا ہے اور پھر ایک مخلوط نسل وجود میں آئی ہے۔ تاریخ جمو میں پورانگ سے آئے قبیلہ کی جانب اشارہ ہے جو نالہ فوکر میں آباد ہوئے تھے۔

فارسی اور عربی آثاروں میں تبت میں رہنے والے اقوام کے بارے میں بات ہوئی ہے۔ کچھ مورخین نے تبابع کے مشہور داستان کے مطابق تبتیوں کو دراصل عرب نژاد (یعنی عرب قوم سے ہیں) بتایا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تبت کا نام تبابع کے نام کی وجہ سے پڑا تھا۔ بعد کے مورخین نے تبتیوں کو تُرک نسل اور کچھ نے تُرک اور ہندی مخلوط نسل کو کہا ہے۔ ایک جگہ یوں لکھا ہے کہ تبّتی کے قائدین کو خاقان کہا جاتا ہے، جو شاید موجودہ ترک علاقوں کی طرف اشارہ ہے جہاں عربی و فارسی ماخذوں کے مطابق اُن علاقوں کو تبت کہتے تھے۔ خاقان ایک عنوان ہے جہاں ترک قوم اپنے شاہوں اور رئیسوں کو دیتے ہیں۔

مقدیسی لکھتے ہیں کہ تبت میں تُرک اور ہندی مخلوط نسل ہیں جن کا لباس چینیوں سے شباہت رکھتا ہے، جن کی کھال کا رنگ اور دماغ ہندوستانیوں کی طرح ہے۔ مجمع البلدان میں مصنف یاقوت نے تبت کو ترک علاقہ کہا ہے۔ اسی مصنف کے بقول ترک علاقوں میں تبتیوں کا بہت احترام ہے۔

تبّتی قوم کے عرب نژاد ہونے کے بارے میں بہت سے مورخین نے اشارہ کیا ہے جو شاید دعبل ابن علی اخزاوی کے شعر سے شروع ہوا ہے۔ دسویں صدی میں مسعودی اسی شاعر سے استفادہ کرتے ہوئے، تبابع کی داستان کو نقل کیا ہے اور تبتیوں کو یمنی الاصل بتایا ہے۔ پھر اس کے بعد گویا بعد کے مورخین نے اسی روایت کو نقل کرتے رہے۔ فارسی ماخذوں میں سب سے پہلے زین الاخبار نامی کتاب میں تفصیل کے ساتھ یمنی الاصل ہونے اور تبابع کی داستان کو لکھا گیا ہے۔ (۲۵) ابن خلدوں نے اس نظریہ کو صراحتاً رد کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدوں نے تبابع یا تبع اور اس کی مشہور تبت کی داستان کو ناقابل یقین بتایا ہے اور اس روایت کو سست اور بے اساس جانا ہے (۲۶)۔ اُس کی دلیل یوں ہے کہ تبابع یمن کے بادشاہ کو تبت تک پہنچنے کے لیے اُسے کئی بڑے سلطنتوں سے جنگ کرنا پڑتا جیسے ایران کے ساتھ اور بڑی مسافت طے کرنے کے لیے، بہت سامان سفر درکار تھا، جو ناممکن تھا، تاکہ لشکر کو ساتھ لے کر جا سکے۔ وہ لکھتا ہے، ''چین کے راستہ تک اُن قوموں سے لڑنا بہت سخت کام ہے اور بہت علوفہ، آذوقہ اور وسایل سفر کی ضرورت ہے''، اور کہتے ہیں ''ایسا سفر بہت ہی دشوار اور نہ ہونے کا امکان ہے۔'' بحرحال یہ وہ نظریات تھے جو کتابوں میں مختلف لوگوں نے بیان اور اُنہیں سے کئی مصنفین نے نقل قول اور تحلیل کیے ہیں۔

حواشی:

(۱)روزنامہ اطلاعات روز،عنوان مقالہ؛ہم آشنا ہم بیگانہ،E2%80%8C% کرگلی/etilaatroz.com/80348

(۲) آبادی، یوسف محمد حسین ۔تاریخ بلتستان ۔سکردو: بلتستان پبلی کیشنز۔۲۰۰۳،ص ۲۳

(3) Goldman, Bernard, "Some Aspect of the Animal Deity:

Luristan, Tibet and Italy", 1961

(4) Melikan-Chirvani, Souren Assadullah. "Iran to Tibet" Islam and

Tibet, Interraction along the Musk Routes (2017): 89-115

(5) Karmay, Heather. Tibetan Costume, Seventh to eleventh Centuries. n.d

(۶) آبادی، یوسف محمد حسین ۔تاریخ بلتستان ۔سکردو: بلتستان پبلی کیشنز. ۲۰۰۳،ص ۳۱

(۷) آبادی، یوسف محمد حسین ۔تاریخ بلتستان ۔سکردو: بلتستان پبلی کیشنز. ۲۰۰۳،ص ۳۱

(۸) ہرداسی، علی صادق ۔بلتی ادب کی مختصر تاریخ ۔کرگل: یوسف انٹرپریزر. ۲۰۱۷،ص ۲۸۲

(۹) آبادی، یوسف محمد حسین ۔تاریخ بلتستان ۔سکردو: بلتستان پبلی کیشنز. ۲۰۰۳،ص ۳۴۶

(۱۰) عبدالغنی شیخ ۔تہذیب وثقافت ۔سرینگر: شیخ محمد عثمان سنز تاجران کتاب. ۲۰۱۳،ص ۲۴

(۱۱)Rabgias, Tashi. "The History of Maryul Ladakh" 2012. P: 13-14

(۱۲) شوشتری، قاضی سید نوراللہ ۔مجالس المومنین ۔تھران: انتشارات کتابفروشی اسلامیہ ۔شمسی ۱۳۵۴،ص ۱۱۸

(۱۳) ستودہ، منوچھر .ed. حدودالعالم من المشرق الی المغرب ۔تہران: کتابخانہ طہوری ۔۱۴۰۳،ص ۴۷

(۱۴) ستودہ، منوچھر .ed. حدودالعالم من المشرق الی المغرب ۔تہران: کتابخانہ طہوری ۔۱۴۰۳،ص ۱۲۱

(۱۵) حدودالعالم من المشرق الی المغرب ۔۱۴۰۳، تہران: کتابخانہ طہوری ۔ستودہ، منوچھر، ص ۱۲۱

(۱۶) بلتستانی، محمد علی شاہ، بلتی اردو لغت، اسلام آباد؛ ناشر؛ پروفیسر فتح محمد ملک، ۲۰۰۳

(۱۷) حدودالعالم من المشرق الی المغرب ۔۱۴۰۳، تہران: کتابخانہ طہوری ۔ستودہ، منوچھر، ص ۱۲۱

(۱۸) عبدالغنی شیخ ۔تہذیب وثقافت ۔سرینگر: شیخ محمد عثمان سنز تاجران کتاب ۔۲۰۱۳،ص ۳۵۸

(۱۹) عبدالغنی شیخ ۔تہذیب وثقافت ۔سرینگر: شیخ محمد عثمان سنز تاجران کتاب ۔۲۰۱۳،ص ۳۶۶

(۲۰) آبادی، یوسف محمد حسین ۔تاریخ بلتستان ۔سکردو: بلتستان پبلی کیشنز ۔۲۰۰۳،ص ۳۴۶

(۲۱) ہرداسی، علی صادق ۔بلتی ادب کی مختصر تاریخ ۔کرگل: یوسف انٹرپریزر ۔۲۰۱۷،ص ۲۴۱

(۲۲) https://baltistantimes.com/history-of-polo-game/

(۲۳) سکندر، کاچو سکندر خان، قدیم لداخ، لیہہ لداخ؛ کاچو پبلیشرز، ۱۹۸۷،ص ۴۶

(۲۴) آبادی، یوسف محمد حسین۔ تاریخ بلتستان۔ سکردو: بلتستان پبلی کیشنز. ۲۰۰۳، ص ۳۸
(۲۵) گردیزی، ابوسعید عبدالحی بن الضحاک ابن محمود زین الاخبار، تصحیح و تعلیق: عبدالحی حبیبی، تہران: دنیای کتاب، ۱۳۶۳، ص ۵۳
(۲۶) ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، ترجمہ: محمد پروین گنابادی، ج ۱، ص ۳۲